سُورَةُ الْعَلَق

انسان کا خالق وہ رب عظیم ہے جس نے اس تمام کائنات کو بنایا اور سجایا۔ خالق کائنات نے پانی کے ایک قطرے اور پھر اس قطرے کو جمے ہوئے خون میں تبدیل کر کے اسے جیتا جاگتا خوب صورت انسان بنا ڈالا اور پھر اسے علم و ادب اور عقل و فکر سے آراستہ کیا اور قلم کے ذریعے سے ایسی صلاحیتیں عطا فرمائیں کہ وہ دوسروں تک اس کی روشنی بکھیرتا چلا جائے اور وہ اس علم کے ذریعے سے ایک طرف اپنے خالق و مالک کو پہچانے تو دوسری طرف اس کی خلافت و نیابت کا حق ادا کرے۔ اگر وہ اس کا حق ادا کرے تو اس کے لیے ابدی فلاح و کامرانی ہے اور اگر نہ کرے تو ہمیشہ کی ناکامی اور نامرادی ہے اسے بہرحال اپنے خالق و مالک کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا اور وہی شخص کامیاب ہے جو اپنی جبین نیاز کو اس کے در پر جھکا تا رہے۔

اس ابدی و سرمدی پیغام کو نوع انساں تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو منتخب کیا ان میں سے آخری شخصیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے جو پہلی وحی فرمائی وہ سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ ان آیات اور ان کے بعد کی آیات کا بنیادی موضوع اور مرکزی مضمون دو ہستیوں کے ذکر پر مشتمل ہے۔ ایک ہستی خالق اور دوسری مخلوق ہے۔ خالق کو چونکہ اپنی مخلوق سے کچھ کہنا تھا اس لیے اس نے مخلوق پر اپنا احسان یاد دلایا اور ساتھ ہی اپنی فوقیت و برتری بھی بیان فرمائی۔ چونکہ انسان کو ہدایت و گمراہی میں سے کسی کو بھی قبول کرنے کی آزادی ہے لہٰذا وہ گمراہی کو اختیار کرنے کی صورت میں تکبر و غرور کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور اپنی مخلوقانہ حیثیت کو بھول کر زندگی کو کسی ایسی ڈگر پر چلا سکتا ہے جو سراسر خدا کے مقابلے میں خدا بننے کا اظہار ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایسے انسان کو ایسی زندگی کے تباہ کن نتائج سے خبردار بھی کیا ہے اور اپنا قہر و جبروت بھی یاد دلایا ہے۔

ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی، جو خواب آپ دیکھتے وہ صبح کی طرح ظاہر ہوتا۔ پھر آپ نے گوشہ نشینی اور خلوت اختیار کی، ام المؤمنین بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے توشہ لے کر غار حرا میں چلے جاتے ایک مرتبہ اچانک فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا ''اِقْرَأْ'' یعنی پڑھیے، آپ ﷺ فرماتے ہیں میں نے کہا ''میں تو پڑھا ہوا نہیں'' فرشتے نے مجھے پکڑا اور بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھ، میں نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا، فرشتے نے مجھے دوبارہ بھینچا جس سے مجھے تکلیف ہوئی، پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے میں نے پھر یہی کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں، اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور پھر چھوڑ دیا اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ سے مَالَمْ یَعْلَمْ تک پڑھا۔

سُوْرَۃُ الْعَلَق

آیات:۱۹ رکوع:۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ(۱) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ(۲) اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ(۳) الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ(۴) عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ(۵)

(اے نبیؐ) اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھیے آپ کا رب تو بڑا ہی کریم ہے جس نے علم بخشا قلم سے، اس نے انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ (اے نبی ﷺ) اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے۔

اِقْرَاْ پڑھیے (قرأ، یَقْرَءُ، قِرَاۃً) پڑھنا، اس سے فعل امر واحد مذکر حاضر، بِاسْمِ رَبِّکَ ساتھ نام رب اپنے کے، ک کی ضمیر واحد مذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتی ہے، الَّذِیْ جس نے، خَلَقَ پیدا کیا (خَلَقَ، یَخْلُقُ، خَلْقًا) پیدا کرنا، خالِقٌ پیدا کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

”فرشتے نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ پڑھو تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نے وحی کے الفاظ لکھی ہوئی صورت میں آپ کے سامنے پیش کیے تھے اور انہیں پڑھنے کے لیے کہا تھا کیونکہ اگر فرشتے کی بات کا مطلب یہ ہوتا کہ جس طرح میں بولتا جاؤں آپ اسی طرح پڑھتے جائیں تو آپ ﷺ کو یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ نیز مطلقاً ”خَلَقَ“ پیدا کیا فرمایا گیا ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ کس کو پیدا کیا، اس سے خود بخود یہ

مفہوم نکلتا ہے کہ اس رب کا نام لے کر پڑھیے جو خالق ہے جس نے ساری کائنات کو اور کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج:٦)

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔

خَلَقَ پیدا کیا فعل ماضی واحد مذکر غائب (یعنی رب العزت نے)، الْاِنْسَانَ انسان کو، مِنْ عَلَقٍ جمے ہوئے خون سے، مِنْ سے، عَلَقٍ جما ہوا خون۔ اس کا مفرد عَلَقَةٌ ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''عَلَقٌ خون کی پھٹکی یا تھکّے کو کہتے ہیں، انسان کی خلقت کی ابتدائی مراحل کی یاددہانی قرآن میں جگہ جگہ فرمائی گئی ہے مثلاً سورۂ حج، سورۃ مؤمنون، سورۃ سجدہ، سورۃ قیامہ اور سورۃ دہر وغیرہ میں اور ہر جگہ الفاظ کی وضاحت کر دی گئی ہے اور اس خاص پہلو کی طرف بھی ہم نے توجہ دلا دی ہے جو اس یاددہانی سے پیش نظر ہے، اس سے مقصود بالعموم تین حقیقتوں کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے۔

o...... ایک یہ کہ جس خالق کی قدرت وحکمت کا یہ حال ہے کہ وہ خون کی ایک حقیر پھٹکی کو عاقل ومدرک اور سمیع وبصیر انسان بنا کر کھڑا کر دیتی ہے، کیا اس کے لیے اس کو دوبارہ پیدا کر دینا مشکل ہو جائے گا۔

o...... دوسری یہ کہ انسان کی تخلیق میں خالق کی جو قدرتیں اور حکمتیں نمایاں ہیں وہ دلیل ہیں کہ یہ عبث اور بے غایت نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس کے لیے ایک روزِ حساب لازماً آنا ہے اور یہ اپنے اعمال کی جزا یا سزا ضرور پائے گا۔

o...... تیسری یہ کہ جس انسان کی پیدائش اتنے حقیر اور ذلیل عنصر سے ہوئی ہے، اس کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی پاکی و پاک دامنی یا اپنے حسب ونسب کی حکایت زیادہ بڑھائے اور غرور واستکبار کا مظاہرہ کرے۔

قرآن کے بعض مقامات میں بیک وقت ان تمام حقائق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے لیکن بعض جگہ ان میں ایک یا دو مدِّ نظر ہوتے ہیں۔ یہاں موقع کلام اشارہ کر رہا ہے کہ ان میں سے اوپر کی دو حقیقتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، مقصود یہ بتانا ہے کہ خالق کائنات کا کلام خاص اُس کے نام سے لوگوں کو پہنچاؤ اور

ان کو یاددہانی کراؤ کہ جس خالق نے انسان کو خون کی پھٹکی سے وجود بخشا ہے، وہ قادر ہے کہ اس کو دوبارہ پیدا کر کے اس کے اعمال کا محاسبہ کرے۔'' (تدبر قرآن، ج:۸)

﴿اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ، الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾

پڑھیے، آپ کا رب تو بڑا ہی کریم ہے، جس نے علم بخشا قلم سے۔

اِقْرَاْ پڑھیے، فعل امر واحد مذکر حاضر (قَرَءَ، یَقْرَءُ، قِرَأَۃً) پڑھنا، وَ رَبُّکَ اور آپ کا رب، 'ک' ضمیر واحد مذکر حاضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتی ہے، اَلْاَکْرَمُ کرم کرنے والا (کریم) ہے، کرمٌ اسم تفضیل کا صیغہ اَکْرم الَّذِیْ جس نے، اسم موصول، عَلَّمَ علم بخشا، سکھایا (عَلَّمَ، یُعَلِّمُ، تَعْلِیمٌ) علم بخشا، سکھانا، بِالْقَلَمِ (بِ. الْقَلَمِ) ساتھ قلم کے۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''یہ اِقْرَاْ سابق اِقْرَاْ سے بدل کے طور پر آیا ہے اور یہ اسی حکم کی تاکید ہے جو اوپر دیا گیا ہے البتہ اس میں اظہارِ احسان کا پہلو بھی نمایاں ہے کہ قریش اللہ تعالیٰ کے اس فضل عظیم کی قدر کریں کہ اس نے ان کی ہدایت کے لیے تعلیم بالقلم کا اہتمام فرمایا، یہ امر واضح رہے کہ اس سے پہلے بنی اسماعیل کے پاس سیدنا ابراہیمؑ وسیدنا اسماعیلؑ کی تعلیمات سے متعلق اگر کچھ روایات تھیں تو وہ زبانی روایات کی شکل میں تھیں، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو احکام عشرہ تو ضرور لکھ دیے گئے لیکن موجودہ تورات کی حیثیت بس قلمبند کی ہوئی روایات کی ہے، اس کے اندر یہ امتیاز ناممکن ہے کہ کون سی بات اللہ تعالیٰ کے لفظوں میں ہے اور کون سی بات مجہول راویوں کے الفاظ میں لیکن قرآن کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام فرمایا کہ اس کا ہر لفظ اول تو براہ راست نطق الٰہی ہے، پھر اس کو زبانی روایات پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ اس کو عین اللہ تعالیٰ کے لفظوں میں تحریری طور پر محفوظ کر دیا گیا اور یہ کام اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایات کے تحت کرایا تاکہ کسی حرف میں سرمو کوئی تغیر نہ ہونے پائے۔

اس اہتمامِ خاص کی طرف یہاں ''عَلَّمَ بِالْقَلَمِ'' کے الفاظ میں اشارہ فرمایا اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ عربوں پر ایک عظیم احسان ہوا، اول تو، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، وحی کو محفوظ کرنے کا یہ اہتمام اس سے

پہلے کسی قوم کے لیے بھی نہیں کیا گیا، ثانیاً اہل عرب امی ہونے کے باعث قلم کے استعمال سے اچھی طرح واقف نہ تھے، لیکن قرآن کی بدولت انہوں نے اس کے ذریعہ وہ عظیم آسمانی خزانہ محفوظ کیا جو صرف انہی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے سرمایۂ زندگی ہے۔'' (تدبر قرآن، ج:۸)

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ اس نے انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

عَلَّمَ سکھایا، فعل ماضی واحد مذکر غائب (عَلَّمَ، يُعَلِّمُ، تَعْلِيْمٌ) سکھانا، الْاِنْسَانَ انسان کو، یہاں انسان سے مراد بنی نوع انسان ہے، مَا جو، اسم موصول، لَمْ يَعْلَمْ وہ نہیں جانتا تھا، لَمْ حرف نفی و جزم۔ مضارع کے شروع میں آئے تو نہ صرف اس کے آخری حرف پر جزم دیتا ہے اور اسے ماضی منفی میں تبدیل کر دیتا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں:

''نوعِ بشر کو ماضی و حال میں جو کچھ معلوم ہوا ہے یا آئندہ جو کچھ بھی معلوم ہو سکے گا، یہ سب اگر فیضانِ الٰہی کا پرتو نہیں تو اور کیا ہے؟ انسان کو اپنے جن جن علوم و فنون، معارف و صنائع پر ناز ہے، یہ سب اگر حق تعالیٰ ہی کے سکھائے ہوئے، بتائے ہوئے، سمجھائے ہوئے نہیں تو اور کیا ہیں، قرآن مجید نے یہاں ایسی ہی گہری حقیقت کو یاد دلایا ہے۔'' (تفسیر ماجدی)

آیاتِ مبارکہ کی حکمت و بصیرت:

۱) خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا 'اِقْرَاْ' سے ہوئی جس میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ پڑھنا لکھنا مسلمان کی زندگی کا جزو لاینفک ہے اور حصول علم کی ابتدا رب کریم کے پاکیزہ نام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتی ہے۔

۲) جس خالق و مالک نے انسان کو بہترین شکل و صورت سے نوازا ہے، اسی نے اس کو دولتِ علم سے مالا مال کر کے اسے دوسری مخلوقات پر فضیلت و برتری عطا کی ہے۔ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن حکیم ایسی عظیم کتاب نازل فرمائی کہ جس سے لوگوں میں بہترین اخلاق پیدا ہوں

اوران کی دنیا اورآخرت سنور جائے تو دوسری طرف انہیں علم ودانش کے ساتھ حقائق واشیاء کا علم عطا کیا کہ جس سے انہوں نے بہتر زندگی گزارنے کے وسائل مہیا کر لیے ہیں۔

۳) وہ رب بڑا ہی کریم ہے کہ جس نے انسان کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ قلم سے لکھنے کی قوت بھی عطا کی کہ ایک طرف زبان وبیان سے وہ حق وصداقت کا اعلان کرے تو دوسری طرف وہ قرطاس وقلم کے ذریعہ سچائی وراست بازی کی اشاعت کا حق ادا کرے۔

۴) ان تمام صفات اور خوبیوں کے باوجود اسے فخر وغرور کو نہیں بلکہ عجز وخاکساری کو اپنی زندگی کا محور ومقصد بنانا چاہیے، وہ اپنی پیدائش پر غور کرے کہ وہ حقیر پانی اور خون کی پھٹکی سے ہوئی اور رب قدیر نے اسے بہترین شکل کے ساتھ جیتا جاگتا انسان بنا دیا، اگر وہ ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کرے تو بے اختیار اس کا سر اپنے مولا ومالک کے حضور جھک جائے اور اس کے لیے اس کی بندگی کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔

....

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى (٦) اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (٧) اِنَّ اِلٰى
رَبِّكَ الرُّجْعٰى (٨) اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى (٩) عَبْدًا اِذَا
صَلّٰى (١٠) اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى (١١) اَوْ اَمَرَ
بِالتَّقْوٰى (١٢) اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى (١٣) اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ
اللّٰهَ يَرٰى (١٤) كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ (١٥)
نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (١٦) فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ (١٧) سَنَدْعُ
الزَّبَانِيَةَ (١٨) كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (١٩) السجدة

ہاں ہاں بے شک انسان حد سے نکل جاتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا سمجھتا

ہے (یادرکھ اے انسان!) یقیناً اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ کیا اس شخص کا حال آپ نے دیکھا جو بندۂ (مؤمن) کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ کیا (اے مخاطب) تو دیکھتا ہے کہ اگر وہ بندۂ (مؤمن) راہ راست پر ہو یا وہ پرہیز گاری کا حکم دیتا ہو (تو پھر بھی تم اس کو اس کام سے روکو گئے؟) آپ نے دیکھ لیا؟ اگر اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی (تو کیا وہ سزا سے بچ سکے گا؟) کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے، ہاں اگر باز نہ آئے گا تو (یقیناً) ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے (یعنی) وہ پیشانی جو جھوٹی اور سخت خطا کار ہے، پھر وہ بلا لے اپنے حامیوں کی ٹولی کو، ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے۔ خبردار (اس ظالم وکافر) کا کہنا ہرگز نہ مانیے اور نماز سے (رب کا) قرب حاصل کرتے رہیے۔

﴿ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی ﴾ ہاں ہاں! بے شک انسان حد سے نکل جاتا ہے۔

کَلَّآ ہاں ہاں! حرفِ زجر وتنبیہ، اِنَّ الْاِنْسَانَ بلاشبہ انسان، لَیَطْغٰٓی (لَ. یَطْغٰی) یقیناً۔ حد سے نکل جاتا ہے، لام زبر والا تاکیدی معنی دیتا ہے (طَغٰی، یَطْغٰی، طُغْیَانًا) سرکشی اختیار کرنا، حد سے نکل جانا، جب پانی دریا کے کناروں سے امڈ آتا ہے تو اسے طغیانی کہتے ہیں۔

الاستاذ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کی اکثریت سرکشی اختیار کرتی ہے، خواہشات نفس کی پجاری بن جاتی ہے اور اپنے رب عزوجل سے بغاوت کی راہ پر چل پڑتی ہے۔" (صفوۃ التفاسیر)

﴿ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ﴾ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا سمجھتا ہے۔

اَنْ رَّاٰهُ یہ کہ وہ دیکھتا ہے (سمجھتا ہے) (رَاٰی، یَرٰی، رَاْیًا، رُؤْیَةً) آنکھ سے دیکھنا، ادراک کرنا، رائے رکھنا، اعتقاد وگمان رکھنا، سمجھنا۔ (القاموس الوحید)، ہٗ کی ضمیر واحد مذکر غائب سرکش انسان کی طرف جاتی ہے (جو) اِسْتَغْنٰی (اپنے آپ کو) بے پروا سمجھتا ہے (اِسْتَغْنٰی، یَسْتَغْنِیْ، اِسْتِغْنَاء)

مستغنی ہونا، بے پرواہونا۔

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''یہاں یہ بتایا کہ انسان کے حدِ عبودیت سے نکل جانے اور سرکشی اور طغیانی کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے کو اپنے خالق کی طرف سے بے نیاز سمجھنے لگتا ہے۔'' (تفسیر ماجدی)

﴿اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی﴾ (یادرکھاے انسان) یقیناً اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔

اِنَّ بلاشبہ، یقیناً، اِلٰی رَبِّکَ طرف اپنے رب کے، الرُّجْعٰی لوٹنا ہے (رَجَعَ، یَرْجِعُ، رُجُوْعًا وَ رَجَاعًا) لوٹنا، پلٹنا، اردو میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''قلب میں انابت وشکستگی پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر کوئی طریقہ نہیں کہ استحضار اپنے اسی انجام وعاقبت کا ہوتا رہے۔'' (تفسیر ماجدی)

﴿اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی، عَبْدًا اِذَا صَلّٰی﴾

کیا اس شخص کا حال آپ نے دیکھا جو بندہ (مؤمن) کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

اَرَءَیْتَ کیا آپ نے دیکھا، اَ، استفہام کے لیے، الَّذِیْ اسم موصول، اس (شخص کو)، یَنْھٰی (جو) روکتا ہے مضارع واحد مذکر غائب (نَھٰی، یَنْھٰی، نَھْیًا) روکنا، منع کرنا، منہیات وہ باتیں جن سے رک جانا چاہیے، اردو میں مستعمل ہے، عَبْدًا بندۂ (مؤمن) کو، اِذَا جب صَلّٰی وہ نماز پڑھتا ہے، فعل ماضی واحد مذکر غائب (صَلّٰی، یُصَلِّیُ، صَلَاۃً) نماز پڑھنا، لفظ صلوٰۃ (نماز) اردو زبان میں بھی معروف ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں:

''عبدًا'' بندہ خاص سے اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہونا بالکل ظاہر ہے اور روکنے والے سے مراد ابوجہل سے لی گئی ہے۔ (تفسیر ماجدی)

﴿اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰٓى، اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰى﴾

کیا (اے مخاطب) تو دیکھتا ہے کہ اگر وہ بندہ (مؤمن) راہ راست پر ہو یا پرہیز گاری کا حکم دیتا ہو (تو پھر بھی تم اس کو اس کام سے روکو گئے؟)۔

اَ (کیا) حرف استفہام رَءَيۡتَ ماضی واحد مذکر حاضر، اِنۡ كَانَ اگر وہ (بندۂ مؤمن)، عَلَى الۡهُدٰٓى، اوپر ہدایت کے، اَوۡ یا، اَمَرَ حکم دیتا ہو بِالتَّقۡوٰى (بِ. التَّقۡوٰى) پرہیز گاری کا۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہر انصاف پسند شخص مخاطب ہے۔ اس سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے دیکھی اس شخص کی حرکت جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے ایک بندے کو روکتا ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ بندہ راہ راست پر ہو یا لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور برے کاموں سے روکنے کی کوشش کرتا ہو اور یہ منع کرنے والا حق کو جھٹلاتا اور اس سے منہ موڑتا ہو، تو اس کی یہ حرکت کیسی ہے؟ کیا یہ شخص یہ روش اختیار کر سکتا تھا اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو بھی دیکھ رہا ہے جو نیکی کا کام کرتا ہے اور اس کو بھی دیکھ رہا ہے جو حق کو جھٹلانے اور اس سے روگردانی میں لگا ہوا ہے، ظالم کے ظلم اور مظلوم کی مظلومی کو اللہ تعالیٰ کا دیکھنا خود اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ ظالم کو سزا دے گا اور مظلوم کی دادرسی کرے گا۔'' (تفہیم القرآن، ج:٦)

﴿اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى، اَلَمۡ يَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾

آپ نے دیکھ لیا؟ اگر اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی (تو کیا وہ سزا سے بچ سکے گا؟) کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

اَرَءَيۡتَ کیا آپ نے دیکھا، اِنۡ كَذَّبَ کہ اس نے جھٹلایا فعل ماضی واحد مذکر غائب (كَذَّبَ، يُكَذِّبُ تَكۡذِيۡبًا) جھٹلانا، وَ تَوَلّٰى، اور منہ پھیرا (روگردانی کی) ماضی واحد مذکر غائب (تَوَلّٰى، يَتَوَلّٰى) منہ پھیرنا، اَلَمۡ کیا نہیں، لَمۡ حرف نفی اور مضارع پر جزم دیتا ہے، يَعۡلَمۡ (وہ جانتا ہے) فعل مضارع واحد مذکر غائب (عَلِمَ، يَعۡلَمُ، عِلۡمًا) جاننا، پہچاننا، بِاَنَّ اللّٰهَ کہ بے شک اللہ

تعالیٰ، یہ بھی دیکھ رہا ہے۔

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں: ''یعنی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق کو جھٹلا کر ایمان کو خیر باد کہا۔'' (زبدۃ التفسیر من فتح القدیر)

الاستاذ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں:

''کیا اس ظالم، بدحال کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام کرتوتوں سے آگاہ ہے اور وہ اسے اس کی سزا دے گا۔ افسوس کہ اس نے کیسی جہالت اور نادانی سے کام لیا! پھر اسے مزید زجر و توبیخ سنائی جا رہی ہے۔'' (صفوۃ التفاسیر)

﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا ۢ بِالنَّاصِيَةِ، نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾

<u>ہاں ہاں! اگر وہ باز نہ آئے گا تو (یقیناً) ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے (یعنی وہ) پیشانی جو جھوٹی اور سخت خطا کار ہے۔</u>

كَلَّا ہاں ہاں! حرف زجر و توبیخ، کلّا ہمیشہ تردید ہی کے معنی میں نہیں، بلکہ کبھی زور و تاکید کے موقع پر ''یقیناً'' کے معنی میں بھی آتا ہے، لَئِنْ اگر، لَّمْ يَنْتَهِ وہ باز نہ آیا، لَمْ ''نہ'' مضارع کے شروع میں آئے تو اسے ماضی کے معنی میں بدل دیتا ہے اور اس کے آخری حرف پر جزم دیتا ہے، جزم آنے کی وجہ سے اگر ''ی'' ہو تو وہ گر جاتی ہے، (اِنتَهَى، يَنْتَهِي، اِنْتِهَاءً) باز آنا، رُکنا، لَنَسْفَعًام تو ہم (لَ. نَسْفَعًا) بضرور گھسیٹیں گے، 'لام' تاکیدی معنی دیتا ہے (سَفَعَ، يَسْفَعُ، سَفْعًا) جسم کے کسی عضو کو پکڑ کر زور سے کھینچنا، سَفَعَ نَاصِيَتَهُ اس کی پیشانی کو پکڑ کر زور سے کھینچا (القاموس الوحید) لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ہم ضرور بضرور اسے پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، نَاصِيَةٍ (ایسی) پیشانی، كَاذِبَةٍ (جو) جھوٹی ہے، كِذْبٌ، جھوٹ، اس سے اسم صفت كَاذِبَةٍ جھوٹی، خَاطِئَةٍ خطا کار (ہے) (خَطِئَ، يَخْطَأُ، خَطْئًا) غلطی کرنا، جرم کرنا، اس سے اسم صفت خاطِئَةٍ، خطا کار، یہ پیشانی کی دوسری صفت ہے۔

''نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ'' اس سے مراد خطا کار پیشانی والا، جھوٹا شخص ہے جو جان بوجھ کر بندۂ مؤمن کے درپے آزار تھا۔'' (صفوۃ التفاسیر)

الاستاذ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں: ''ایسے خطا کار مجرم کو ہم پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے اور جہنم میں جھونک دیں گے۔'' (العیاذ باللہ)

﴿ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ، سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴾

وہ (سرکش) بلالے اپنے حامیوں کی ٹولی کو، ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلالیں گے۔

فَلْيَدْعُ (ف. لْ. يَدْعُ) پس، چاہیے، کہ وہ بلالے (دَعَا، يَدْعُوْ، دَعْوًا وَ دَعْوَةً) بلانا، پکارنا، آواز دینا، مدد چاہنا، مدد کے لیے بلانا۔ (قاموس الوحید) نَادِيَهُ، اپنی مجلس (کو) "وَالنَّادِی" اَلْمَكَانُ الَّذِیْ يَجْتَمِعُ فِيْهِ الْقَوْمُ وَلَا يُسَمّٰى نَادِياً حَتّٰى يَكُوْنَ فِيْهِ اَهْلُهٗ (المراغی) ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں قبیلہ اور قوم کے لوگ جمع ہوں اور ضروری ہے کہ اس میں اہل وعیال اور دوست واحباب بھی ہوں۔

سَنَدْعُ (سَ. نَدْعُ) قریب ہے، ہم بلالیں گے، ''س'' قریب کا معنی دیتا ہے، الزَّبَانِيَةَ اس کا مفرد زِبْنِيَة ہے، وہ مخصوص فرشتے جو دوزخیوں کو آگ میں دھکیلیں گے۔ (القاموس الوحید)

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

''کہ وہ قبیلے اور قوم کے لوگوں اور اپنے اعوان وانصار سب کو اپنی مدد کے لیے بلالے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ مجھے عذاب آخرت سے ڈراتے ہیں جبکہ میرے ساتھ لوگوں کے انبوہ اور جتھے ہیں تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ (زبدۃ التفسیر من فتح القدیر)

﴿ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴾

خبردار! (اس ظالم وکافر) کا کہنا ہرگز نہ مانیے اور نماز سے (رب کا) قرب حاصل کرتے رہیے۔

كَلَّا خبردار! (حرف زجر وتنبیہ)، لَا مت، تُطِعْهُ (تُطِعْ. هُ) کہنا مانیے، اس کا (اَطَاعَ، يُطِيْعُ، اِطَاعَةً) اطاعت کرنا، کہنا ماننا، تُطِعْ اصل میں تُطِيْعُ تھا، لائے ناہیہ کی وجہ سے 'ی' حرف علت گر گیا، هُ ضمیر واحد مذکر غائب اس کافر وظالم کی طرف جاتی ہے جو نماز پڑھنے سے روکتا ہے، وَاسْجُدْ اور سجدہ کیجیے (نماز پڑھیے) فعل امر واحد مذکر حاضر (سَجَدَ، يَسْجُدُ، سُجُوْدًا) زمین پر پیشانی رکھنا، سجدہ کرنا، شریعت میں صرف اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکانا اور اس طرح نماز پڑھنا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ادا فرمائی ہے، وَاقْتَرِبْ اور قرب حاصل کرتے رہیے۔ فعل امر واحد مذکر حاضر (اِقْتَرَبَ، یَقْتَرِبُ) قرب حاصل کرنا، رضامندی حاصل کرنا۔

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''فرمایا کہ اگر کوئی سر پھرا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کرنے سے روکتا ہے تو اس کی اس حرکت کو خاطر میں نہ لائیے بلکہ سجدہ کیجیے اور اپنے رب سے قریب تر ہو جائیے، یہ امر یہاں واضح رہے کہ قرآن نے جگہ جگہ نماز ہی کو صبر و عزیمت اور فتح باب نصرت کی کلید بتایا ہے اور سجدہ نماز کا سب سے اعلیٰ رکن ہے، یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کس کی مجال ہے کہ آپ کو اس چیز سے روک دے جو آپ ﷺ کی زندگی کی غایت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کا واحد وسیلہ ہے، اگر کوئی ایسی جسارت کرتا ہے تو آپ ﷺ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیجیے، جس کا واحد طریقہ اس کے آگے سر بسجود ہونا ہے۔'' (تدبر قرآن، ج:۸)

آیاتِ مبارکہ کی حکمت وبصیرت:

۱) انسانوں کی اکثریت مال و دولت اور جاہ وحشمت پانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو بھول جاتی ہے درآنحالیکہ یہ تمام اشیا اسی کی عطا اور دین ہیں۔

۲) ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کو دعوت حق کی تبلیغ و اشاعت اور نماز پڑھنے سے روکنے کی کوشش کی، انہوں نے اس کا نقصان دنیا میں بھی اٹھایا اور آخرت میں بھی وہ ناکام اور نامراد رہوں گے۔

۳) جب ہر طرف مصائب وتکالیف کا ہجوم ہو تو ہمارے لیے لازم ہے کہ اپنی پیشانیوں کو رب کریم کے حضور جھکا دیں اور اسی سے مدد اور قوت حاصل کریں۔

۴) آج امت مسلمہ پر ادبار و ذلت کی گھٹا چھائی ہوئی ہے، اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ ہدایت الٰہی پر کاربند ہو کر، رب قدیر سے امن اور عافیت کی طلبگار رہے۔

.................o.................